نواعتزال کے بعض پہلو

ڈبلیو خالد ـــــــــ ترجمہ شیخ نذیر حسین

معتزلہ گروہ بندیوں کے قائل نہ تھے اس لئے نئے معتزلیوں سے مسلم تجدّد پسندوں کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ معتزلہ نے اپنے تصور منزلہ بین المنزلتین سے (مختلف فرقوں کے) متضاد نظریات میں توافق پیدا کرنا چاہا تھا۔ اس لئے اعتدال پسندوں کو معتزلہ کے مسلک میں بڑی کشش دکھائی دیتی ہے۔ مرجئہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب گناہ گار تھا لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہ تھا اس کے برعکس خوارج ایسے مسلمان کو کافر سمجھتے تھے۔ اس بارے میں معتزلیوں نے درمیانی راہ اختیار کی جس سے دو متضاد نظریوں میں ہم آہنگی پیدا ہو سکی۔[90] آنحضرت صلعم کی حدیث ہے: "خیر الامور اوسطھا" (معاملات میں بہترین وہ ہیں جو اعتدال پر مبنی ہیں)۔ اِس سے بھی عوام کی ہمدردیاں حاصل ہو سکتی تھیں۔

اس مثال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے معتزلہ نے بڑی کامیابی سے ایسا مسلک پیش کیا جو اگرچہ شیعہ اور خوارج میں مفاہمت کی بنیاد تو نہ بن سکتا تھا لیکن اسلام کے یہ دو الگ تھلگ رہنے والے فرقے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے تھے۔ تجدّد پسندوں کا اس طرف رجحان رہا ہے کہ شیعہ، سنّی کے قدیم تنازعہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ اس نزاع کی بڑی وجہ سیاسی تھی، فکری اور کلامی نہ تھی۔ جس میں ماضی کی دو شخصیتیں برسرِ پیکار نظر آتی ہیں۔ اس لئے بہ نسبت عیسائیوں کے اسلام کے ان دو بڑے فرقوں میں مفاہمت بظاہر آسان نظر آتی ہے۔[91] بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ سید جمال الدین افغانی شیعہ تھے لیکن مسلم نشاۃ ثانیہ کے اس علمبردار کی روش سے صاف عیاں ہے کہ وہ ہر قسم کے گروہی تعصب سے پاک تھے۔ سر سید احمد خان پیدائشی لحاظ سے سنّی تھے، جب کہ

سید امیر علی شیعہ تھے۔ قدیم عراقی معتزلہ کی طرح ان دونوں بزرگوں کے دائرۂ عمل کی بنیاد ایک ہی ہے۔

مشہور فرانسیسی مستشرق لوئی گاغدے ان کے متعلق کہتا ہے:

" اگر چاہو تو تیسری جماعت کہہ لو، یا مصالحت کی جماعت کہہ لو۔ بہر صورت ایک سیاسی جماعت، معتزلہ خواہ وہ اہلِ مذہب ہوں یا اہلِ عقل، وہ لقب جو انہوں نے خود علم سیاست سے اخذ کیا ان کی بہترین تعریف کرتا ہے۔" [92]

ڈاکٹر احمد امین نے 'فجر الاسلام' میں شیعوں کے بعض عقائد کو ہدفِ تنقید بنایا تھا۔ یہ تنقید اُن کے لئے تقریباً جان گسل ثابت ہوئی۔ ۱۹۳۱ء میں وہ مصری وفد کے سربراہ بن کر عراق گئے تھے وہاں اُن کو ایک شیعہ مجتہد کی تقریر سننے کی دعوت دی گئی۔ اُس نے اس تقریب سے فائدہ اُٹھا کر احمد امین پر سخت حملے کئے۔ اس پر مصری وفد کو پچھلے دروازہ سے بحفاظت تمام جلسہ گاہ سے باہر لے جایا گیا۔ ایک منصف مزاج مصنف کے لئے یہ واقعہ نہایت ہی تکلیف دہ تھا۔ [93] حالاں کہ احمد امین نے اپنے تاریخی مطالعات میں صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اُنھوں نے شیعہ اور سنّی دونوں (کے افکار کو، نقد و تبصرہ کی کسوٹی پر پرکھا ہے پھر بھی اُنہوں نے زوردار الفاظ میں اپنی غیر جانبداری کا اظہار [94] اور سب سے انصاف کیا ہے۔ اُن کے زمانے کی روح کا بھی یہی تقاضا تھا جس کو سرکردہ مصری صحافی اور "حیاتِ محمدؐ" کے مشہور مصنف محمد حسین ہیکل نے اسلام کے "مصالحتی افکار" کے نام سے شہرت دی۔ [95] ان کا یہ رویہ امام غزالی [96] اور سب سے زیادہ شاہ ولی اللہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اس کو تطبیق کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اپنے الفاظ میں بار بار اس کو دہراتے رہے ہیں۔ [97] غرضیکہ ہم گھوم پھر کر دوبارہ اعتزال تک پہنچ جاتے ہیں۔

امام معصوم کے عقیدے کو چھوڑ کر شیعوں کے بڑے بڑے رجحانات عملی طور پر معتزلیوں سے ملتے ہیں۔ شیعہ علماء خود اپنے کو العدلیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو معتزلیوں کا ابتدائی نام تھا۔ بہت سے شیعہ عالم حضرت علی اور دوسرے ائمہ اہلِ بیت کو اعتزال کا بانی مبانی قرار دیتے ہیں اور معتزلیوں کی آراء کا ذکر کرتے ہوئے انھیں کسی نہ کسی امام سے منسوب کر دیتے ہیں۔ امامی شیعوں کی نسبت زیدی فرقہ معتزلیوں کے خیالات کو زیادہ مانتا ہے کیونکہ اُن کے بانی حضرت زیدؓ نے، جو حضرت امام حسینؓ کے پوتے تھے، اعتزال کے بانی، واصل بن عطا، سے تعلیم حاصل کی تھی

جب کہ معتزلیوں کا بغدادی مکتبِ فکر اپنے آخری ایام میں اپنی انفرادی شخصیت کو زیدیوں کے افکار میں کھو چکا تھا۔ [۹۸]

زیدی جاراللہ کے الفاظ کے مطابق یہ معتزلی روح تھی جس نے سنی علاقوں سے نکالے جانے کے بعد شیعوں کی سرزمین میں پناہ لی تھی، جہاں وہ باقی فرقوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے دن کاٹ رہی تھی۔[۹۹] مستشرقین کا خیال ہے کہ اگر زیدیوں کا علمی سرمایہ مکمل طور پر ہاتھ آجائے تو اعتزال کے بارے میں بہت کچھ نئی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ زیدیوں کے ایک امام احمد بن یحییٰ المرتضیٰ کی طبقات المعتزلہ ۱۹۶۱ء میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ وہ بھی معتزلہ کی مصالحانہ قوت کی زیادہ قدر و قیمت نہیں لگا سکتے۔ وہ ناخوش معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کو خوارج اور روافض میں معتزلی افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔[۱۰۰] شیعی عقائد کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ کی تحریروں کے دو حصے ہیں، پہلے میں توحید باری تعالیٰ اور دوسرے میں عدل پر بحث ہوتی ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ امام منتظر اس گروہ کے ساتھ ہوں گے جو توحید کا علم بردار ہوگا اور یہی عدل معتزلہ کا سب سے بڑا لقب ہے۔

اس پسِ منظر میں یہ یاد رہے کہ معتزلہ کا بغدادی مکتبِ فکر تفضیلی تھا جو حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر ترجیح دیتا تھا اور مامون کے زمانے میں جو خود بھی علوی تھا، یہی گروہ برسرِ اقتدار تھا۔ خلقِ قرآن کے عقیدے کے ساتھ یہ لوگ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت علیؓ کو افضل الناس مانتے تھے۔ منٹگمری واٹ کا یہ کہنا معنی رکھتا ہے کہ معتزلہ نے خوارج کی تعلیمات میں سے بہترین اصول یعنی عقیدہ عدل کو اپنا لیا تھا۔[۱۰۱] یہ عقیدہ کسی خاص فرقے کی میراث نہ تھا اور نہ یہ خوارج کا تنہا کارنامہ تھا جس سے اسلامی فکر کے ذخیرے میں بیش بہا اضافہ ہوا تھا لیکن جہاں تک خوارج اور معتزلہ کے افکار کے توافق و تعامل کا تعلق ہے، منٹگمری کا بیان اس سلسلے کی درمیانی اور اہم کڑیوں کو اجاگر کرتا ہے۔

"موجودہ افکار کی تعبیر اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کی بنا پر کی جاتی ہے۔ ایسی تعبیر کرنے والے خوارج کے اخلاف ہیں — اور یہاں عقلیت پسندی صاف طور پر نظر آنے لگتی ہے۔"[۱۰۲]

اعتزال کے عقلی رجحانات نے، جو شیعہ علمِ کلام میں نظر آتے ہیں، فکری آزادی کو جنم دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے فاضل شیعہ حضرات تجدد کی حرکت میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس حیرت انگیز علمی حرکت کے مشہور نمائندے سید امیر علی ہیں جب کہ آخری عباسی دَور کی نمائندگی قاضی عبدالجبار کرتے تھے جو بہت بڑے عالم اور "شرح الاصول الخمسہ عند المعتزلہ" کے مصنف ہیں۔ یہی ترقی پسند جماعت عقلیتِ معتزلہ کی امین تھی۔ خوارج اپنی اس انقلابی روح کی وجہ سے جو ہر طرح کے مفاد پرستانہ نظام کے مخالف تھی حرکت پسند تھے۔ اس لئے ان میں بہت سے متکلمین پیدا ہوئے جو قدامت پسندوں کے مسلمہ اصولوں سے منحرف تھے۔ یہ لوگ قانون سازی میں صرف قرآن پاک کے احکام کو درجہ استناد دیتے اور دوسرے مصادر کو نظرانداز کر دیتے تھے۔ بعض خارجی علماء تو قرآن پاک میں کمی بیشی کے بھی قائل تھے اور سورۂ یوسف کو اس میں شمار نہ کرتے تھے۔ بعض خارجی علماء نے اُن تقویٰ شعار معتزلہ کی روایات کو برقرار رکھا جو احادیث کو بھی نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور جو قرآن پاک کی بعض آیات کے بارے میں ناقدانہ خیال رکھتے تھے۔ معتزلہ کہا کرتے تھے کہ جن آیات میں آنحضرت صلعم اور اُن کے مخالفین کے ذاتی معاملات کے بارے میں مناقشات مذکور ہیں، اُن کا قرآن پاک سے کوئی تعلق نہیں۔[۱۰۲] آج بھی خوارج کا اعتدال پسند اباضی فرقہ خلقِ قرآن کا قائل ہے۔ قدیم خوارج تو خدا کی تجسیم کے قائل تھے لیکن اُن کے موجودہ اخلاف بہشت میں خدائے تعالیٰ کو مادی آنکھوں سے دیکھنے کے منکر ہیں۔[۱۰۳]

اسلام میں جمہوریت پسندی کی وجہ سے یہ لوگ اہلِ بیت کے لئے ارستقراطی تصوّر کے شدت سے مخالف اور شیعہ کی طرح امام کو معصوم ماننے کے بھی منکر تھے۔ یہ گروہ سرے سے امام کی اہمیت و ضرورت کا منکر ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بدامنی کے زمانے میں امام مقرر کر لینا چاہیئے۔ سنیوں کا نظریہ ہے کہ امام نصب کرنا عوام کے لئے فرض ہے اس کے برعکس شیعوں (امامیوں

---

[۱] قاضی القضاۃ عبدالجبار معتزلی (۳۵۹ تا ۴۱۵ھ) اپنے زمانے کے مشہور اصولی متکلم اور مفسر تھے۔ معتزلہ کے سربرآوردہ علماء میں ان کا شمار ہے۔ رے میں قاضی تھے اور وہیں وفات پائی۔ ان کی جلیل القدر تصنیف کتاب المغنی کی سولہ جلدیں ڈاکٹر طہٰ حسین کے اہتمام سے شائع ہو چکی ہیں۔ یہ کتاب معتزلی افکار کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ (مترجم)

اور اسماعیلیوں) کا عقیدہ ہے کہ امام کا تقرر خدا کے لئے فرض ہے۔ ان دونوں فرقوں کے فکر و نظر کا محور روایات ہیں۔ معتزلہ نے مصالحت کی غرض سے بیچ کی راہ نکالی ہے۔ اُن کا موقف یہ تھا کہ امام نصب کرنا انسانوں کا فرض تھا لیکن اس ضرورت کی بنیاد دلیل اور برہان تھی، لبعض کہتے تھے کہ امام کے انتخاب کی بنیاد جزوی طور پر دلیل اور جزوی طور پر روایت کے اقتضاء کے تحت تھی۔ آخر الذکر عقیدے کی تائید کرنے والے زیدی تھے۔ خارجیوں کا ایک زندہ فرقہ اباضیہ بھی اس عقیدے کو مانتا ہے جس کی وجہ سے بہت سے معتزلی جن کی تعداد تیس ہزار کے قریب تھی، ہجرت کر کے تاہرت چلے گئے تھے جو مغرب اقصیٰ میں اباضیوں کا مستقر خلافت ہے۔ ۱۰۵

باقی رہا خلافت کے جائز جانشین کا مسئلہ تو احمد امین کے خیال میں اس کا اُمت کے مستقبل سے کوئی واسطہ نہیں۔ ۱۰۶ لیکن عملی طور پر اس کو آج بھی حل کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض مسلم ممالک کی مخلوط آبادیوں میں خلفائے ثلاثہ کی قدح کے سبب شیعہ سنی فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ صدیوں سے شیعوں کی عادت رہی ہے کہ وہ خلفائے راشدین کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں جس کی وجہ سے اسلام کے ان دو فرقوں میں مصالحت ناممکن سی نظر آتی ہے معتزلہ نے اس نزاع کو مٹانے کے لئے قابلِ تقلید کوششوں سے کام لیا ہے۔ اُن کے خیالات کی جھلک آج بھی زیدی شیعوں کی تعلیمات میں دکھائی دیتی ہے۔ وہ شیعوں کی طرح حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو غاصب نہیں سمجھتے۔ واصل بن عطا کے ساتھ دوسرے معتزلی حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ برحق مانتے تھے۔ اُنہوں نے کبھی بھی اس امر کو موضوعِ بحث نہیں بنایا کہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ میں سے خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون تھا لیکن وہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے تھے ۱۰۷۔ سید امیر علی نے کئی مواقع پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق مداحانہ کلمات لکھے ہیں، ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"حضرت عثمان میں نہ تو حضرت ابو بکر کی فراست تھی اور نہ حضرت عمر کی فکری و اخلاقی جرأت۔ وہ اپنے تلطف اور نرم مزاجی کی وجہ سے اپنے خاندان کے افراد کے زیرِ اثر آ گئے تھے" ۱۰۸

معتزلہ نے حضرت علیؓ کی شخصیت کا جو ترقی پسندانہ جائزہ لیا ہے، اُس کا ذکر آچکا ہے۔

بقول ڈاکٹر احمد امین اس سے اُن کا مقصد قومی یکجہتی کو برقرار رکھنا تھا۔ دوسرے وہ بھی حضرت علیؓ کے بدیں وجہ مداح تھے کہ حضرت علیؓ کی شخصیت حضرت رسول کریم صلعم سے مربوط و وابستہ نظر آتی ہے۔ حضرت علی کے نہ صرف شیعہ بلکہ سنّی تک مدّاح ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں لیکن معتزلی نقطہ نظر سے دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت کے لئے ضروری تھا کہ ایک طرف تو شیعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کو برحق اور جائز مان لیں اور دوسری طرف سنّی حضرت علیؓ کو سابقہ خلفاء کا ہمسر و مساوی قرار دیں۔ اقبالؒ نے "تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ" میں کسی حد تک نئے معتزلیوں سے جداگانہ خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن انہوں نے دونوں فریقوں میں اتحاد قائم کرنے کے لئے معتزلی روایت کا سہارا لیا ہے۔

"اقبال نہ صرف آنحضرت صلعم کے شیدائی تھے بلکہ اہلِ بیت اور خاص کر خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کے بھی پُرجوش مداح تھے۔ اسلامی روایات میں حضرت علیؓ کی شخصیت نہایت اہم اور عزم انگیز بن گئی ہے لیکن وہ تاریخ کے پسِ منظر میں سیاسی معاملات میں زیادہ چابکدست نظر نہیں آتے۔ حضرت علیؓ کے مختلف القاب، حیدر، مرتضیٰ، شیرِ خدا، کرّار کا ذکر اسرارِ خودی کے مختلف ابواب میں ملتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں حضرت علیؓ کا نام انسانی شخصیت کی تقویت کی رمز اور علامت بن گیا ہے۔ حیدر کرّار کافروں سے خیبر میں جہاد کرتے ہیں۔ اس طرح اُن کی شخصیت انسان کامل کا عمدہ نمونہ دکھائی دیتی ہے۔" [۱۱۰]

لیکن اس کے ساتھ ہی اقبال عقیدہ مہدی کے منکر ہیں۔ حقیقت میں وہ مسیح موعود کے انتظار کو مسلم ثقافت کی روح کے منافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ شیعی عقائد کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ اشپینگلر[۱] (SPENGLER) نے "زوالِ مغرب" میں اسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے،

---

[۱] اُسولد اشپینگلر (۱۸۸۰ء تا ۱۹۳۶ء) فلسفہ تاریخ کا مشہور جرمن عالم تھا۔ اُس نے اپنی قابلِ قدر تصنیف "زوالِ مغرب" میں مغربی تہذیب کے انحطاط کی پیشین گوئی کی ہے۔ (مترجم)

اقبالؔ اُس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" اسلام میں ختم نبوت کی تہذیبی قدر و قیمت اشپینگلر پر واضح نہ ہو سکی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُمید اور توقع مجوسی تہذیب و ثقافت کی ایک مستقل روش ہے یعنی زرتشت کے نا زائیدہ بیٹوں کا مسلسل انتظار، خواہ کوئی مسیح ہو یا انجیل چہارم کا فارقلیط ..... ابن خلدون اپنے تاریخی نظریئے سے کام لیتے ہوئے اس کی حقیقی رُوح کو خوب سمجھ گیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اسی نوع کے ایک اسلامی عقیدہ (ظہور مسیح و مہدی) کی تنقید سے جس نے مسلمانوں میں گویا مجوسی خیالات کے زیرِ اثر سر اُٹھایا تھا ہمیشہ کے لئے ثابت کر دیا کہ اور نہیں تو کم از کم ان نتائج ہی کے اعتبار سے جو بلحاظ نفسیات اس سے مترتب ہوتے ہیں اسلام میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے۔" [۱۱۱]

اقبالؔ کی اس فکر کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی پیروی میں احمد امین نے عقیدہ مہدی کے خلاف "المہدی و المہدویہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے لیکن محض خلفائے راشدین کی تفضیلی ترتیب کی وجہ سے امامت یا خلافت کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ یا حضرت علیؓ کو ترتیبِ نو کے ذریعہ افضلیت بخشنا اِس عقدے کا صرف ایک رُخ ہے جب کہ نظامِ حکومت کے بارے میں پھر بھی اختلاف رہ جاتا ہے جس پر معتزلہ کا بھی اتفاق نہ تھا۔ اِس بنا پر نئے معتزلیوں نے مغربی جمہوریت کے افکار کو دل و جان سے قبول کر لیا ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں وہ خوارج کے ہم نوا ہیں۔ احمد امین بھی خوارج کے موقف سے متفق نظر آتے ہیں اور شیعوں کے عقیدے پر تنقید کرتے ہوئے "ولو کان عبداً حبشیاً" سے استدلال کرتے ہیں: "خلافت کا حق دار صالح ترین فرد ہے اگرچہ وہ حبشی غلام ہو۔" اُن کے نزدیک اہلِ بیت کے ایک فرد اور بڑھئی یا حجام کے لڑکے میں کوئی فرق نہیں۔ [۱۱۲] وہ بعض معتزلیوں کا حوالہ دیتے ہیں جو خوارج کے زیرِ اثر خلیفہ کے لئے قریشی ہونا ضروری نہیں خیال کرتے تھے۔ [۱۱۳]

خوارجی افکار کی نشاۃ ثانیہ کے اظہار کے لئے ہم نے اس چھوٹے سے مکتبِ فکر کا ربط اعتزال سے ثابت کرنے کے لئے خاص خیال رکھا ہے۔ معتزلیوں کی عقلیت پسندی کی بدولت بہت سے اختلافات مٹ گئے اور متحارب فریقین بہت سے مسائل میں متحد الرائے ہو گئے لیکن پھر بھی شیعہ اور خوارج میں متعدد ناقابلِ حل مسائل رہ گئے ہیں جن کی وجہ سے معتزلیوں کی مصالحانہ

قوتیں محدود دائرے میں کارفرما نظر آتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ معتزلہ نے دلائل و براہین سے کام لے کر تاریخی رقابتوں سے وابستہ فرقہ وارانہ اختلافات ختم کرنے میں قابلِ تعریف کردار ادا کیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب معتزلی عقلیت تصوف کی اقلیم میں داخل ہوتی ہے جہاں دلائل و براہین کو پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے تو یہ مفاہمت میں الجھن پیدا کر دیتی ہے اس طرح معتزلہ کا یہ امتیازی خاصہ یعنی مصالحتی قوت ایک قسم کی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ ایک طرف دلیل و برہان پر زور دے کر اس کی فرضیت ثابت کرنا لیکن دوسری طرف اس کو محدود و معطل کر دینا کوئی صحیح طریقہ نہیں ہوگا۔ یہ پہلو مزید بحث و تحیص کا محتاج ہے۔

ہم اس باب کو اسی دعا پر ختم کرتے ہیں جو نہ صرف عام مسلمانوں کی آرزوؤں کی مظہر ہے بلکہ متجددین بھی اس پر خصوصی زور دیتے ہیں اور احمد امین اپنی آخری تصنیف "ظہر الاسلام" جلد چہارم (جو اُن کی وفات کے بعد ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی) کا دیباچہ بھی اسی دعا پر ختم کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں دوبارہ اتفاق اور یک جہتی پیدا کرے اور ان کے مختلف مکاتبِ فکر کو یک جان کر دے۔" ۱۱۴

حواشی و حوالہ جات

۹۰۔ CARDET, OP, CIT, 50۔ ۹۱۔ احمد امین: حیاتی ص ۲۶۴۔ ۲۶۵۔

۹۲۔ گاغدے: حوالہ مذکور۔ ص ۴۶۔

۹۳۔ احمد امین: حیاتی ص ۲۹۵ - ۲۶۴۔ احمد امین نے سنت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے رد میں مصطفیٰ السباعی کی السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی طبع قاہرہ ۱۹۶۰ء ملاحظہ ہو۔ حسین الذہبی کی تفسیر والمفسرین بھی قابلِ ذکر ہے۔

۹۴۔ احمد امین۔ حیاتی۔ ص ۲۶۴، ظہر الاسلام کے حصہ سوم کے دیباچے میں لکھتے ہیں: میں نے جتنی مشقت اس حصے میں اُٹھائی ہے کسی دوسرے حصہ میں اتنی محنت نہیں کی۔ اس لئے کہ دینی عقائد میں جذبات کی کارفرمائی زیادہ نظر آتی ہے اور کسی مذہب کا ناقدانہ مطالعہ نہایت ہی مشکل امر ہے۔

۹۵ BABER JOHANSEN MUHAMMAD HUSAIN HAIKAL

٩٦- JÖRG KRAEMER DAS PROBLEM DER ISLAMISCHEN KULTUR GESCHICHTE

٩٧- عبید اللہ سندھی کا فلسفہ ۔ ص ٣٦ ۔ ٩٨- نیبرگ ۔ مقالہ معتزلہ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) ۔

٩٩- حوالہ سابق ص ٢٦٤ ۔ ١٠٠- سوساناسا ۔ مقدمہ طبقات المعتزلہ ۔ طبع بیروت ۔ (١٩٦١ء) ۔

١٠١- FREE WILL AND PREDESTINATION IN EARLY ISLAM, ص ٩٢ ۔ لندن ١٩٤٨ء

١٠٢- حوالہ سابق ۔ ص ٦٨ ۔

١٠٣- GOLDZIHER, LE DOGME ET LA LOI DEL' ISLAM, P. 162.

١٠٤- احمد امین، ضحی الاسلام جلد سوم، ص ٢٣٧ ۔ (١٠٥) نیبرگ حوالہ سابق، احمد امین ضحی الاسلام جلد سوم ص ٩٧ ۔

١٠٦- ظہر الاسلام، جلد چہارم ص ٤٨ ۔ حضرت فاطمہ، حضرت علی و حضرت ابو بکر و عمر اللہ کے جوارِ رحمت میں پہنچ چکے ہیں اب تیرہ سو سال کے بعد بھی ان کے اختلافات کو اچھالنا ایک تعجب خیز امر ہے ۔ یہ اختلافات دین میں داخل ہو کر کئی مذاہب کو جنم دے چکے ہیں ۔ ان تنازعات اور مناقشات کا زمانہ حال تک وجود کچھ عجیب سا لگتا ہے ۔ ١٠٧- نیبرگ ۔ حوالہ سابق ۔

١٠٨- امیر علی ۔ سپرٹ آف اسلام، ص ٣٢٢ ۔ ١٠٩- احمد امین، ضحی الاسلام، جلد سوم ص ٢٩٥ ۔

١١٠- ANNEMARIE SCHIMMEL GABRIEL'S WING, P. 166,

١١١- تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ١٤٤ ۔

١١٢- ضحی الاسلام، جلد سوم ص ٢٩٩ ۔ ١١٣- حوالہ سابق، ص ٧٨ ۔

١١٤- احمد امین ۔ ظہر الاسلام، جلد چہارم ص ٢٤ ۔ ضحی الاسلام جلد ثالث، ص ٣٥٥ ۔

میرے شیعہ دوستوں کو تعجب ہوتا ہے کہ میں اُن کی آراء اور مزعومات کی تغلیط کرتا ہوں، اور پھر الفت اور اتفاق کی بھی دعوت دیتا ہوں ۔ میں خلوص سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ اور درست جان کر کہا ہے ۔ میں نے کوشش کی ہے کہ میں کسی طرح بھی اپنی عادات اور معتقدات سے متاثر نہ ہو سکوں ۔ میں نے کسی سنّی کی رائے کی سنّی ہونے کی وجہ سے تائید نہیں کی اور نہ کسی شیعہ یا معتزلی کے فکر پر اُس کے شیعہ یا معتزلی ہونے کی وجہ سے نقد و جرح کی ہے ۔

قارئین کرام میری تائید کریں گے کہ میں بسا اوقات سُنیوں کے افکار پر معتزلہ اور شیعوں کی آراء کو ترجیح دیتا ہوں ۔ اگر میں کسی خاص مذہب کی نفرت وحمایت کرتا تو ہر موقع پر اُس کی تائید کرتا رہتا ۔ لیکن میں صرف سچائی اور حق کو پیشِ نظر رکھتا ہوں ۔